۸ مارچ ۱۹۷۱ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۱۰

اس شمارے میں

مردم شماری

ضروری کیوں؟

نوٹ:۔ مردم شماری کمشنر کی طرف سے یہ فولڈر ہندوستان کی سبھی قومی زبانوں میں چھاپا گیا، اردو کے فولڈر کی نقل یہاں دی جاتی ہے۔ (ادارہ)

دس سال میں ایک بار ایک شمار کنندہ گھر گھر جاتا ہے اور کنبہ کے ہر فرد کے بارے میں مختلف سوالات پوچھتا ہے چاہے وہ فرد نوزائیدہ بچہ ہو یا عمر رسیدہ بوڑھا۔ یہ سوالات مختلف نوع کے ہوتے ہیں جن سے اس فرد کی ذاتی اور نجی واقفیت معلوم ہو سکے۔ مثال کے طور پر ایک شمار کنندہ ایک شخص کی عمر اور جائے پیدائش پوچھے گا۔ یہ پوچھے گا کہ وہ کام کرتا ہے یا نہیں۔ اس کے تعلیمی معیار، ازدواجی حیثیت، مادری زبان، مذہب وغیرہ سے متعلق پوچھے گا۔ سوچنا یہ ہے کہ آخر یہ سوالات کیوں پوچھے جاتے ہیں!

ہم ایک آزاد جمہوریہ ہیں اور ہمارا نظام حکومت جمہوری ہے۔ ہم لوک سبھا، ریاستی آئین ساز اسمبلی، شہری میونسپل کمیٹی اور گاؤں کی پنچایت سمیتی کو اپنے نمائندے بھیجتے ہیں۔ لیکن ایک ریاست (جموں و کشمیر ریاست) کو ہی لیجئے، اس کے لوگ کیسے یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کو لوک سبھا کے لئے کتنے نمائندے منتخب کرنے ہیں یا ایک ضلع مثلاً سرینگر ضلع کے لوگ یہ کیسے جان سکتے ہیں کہ ان کو ریاستی اسمبلی کے لئے کتنے نمائندے منتخب کرنے ہیں۔

ہم اپنے ملک کو ایک خوشحال ملک بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بچوں کو تعلیمی سہولیات بہم پہنچائیں۔ لیکن ہم کو یہ کیسے معلوم ہو سکے گا کہ ہمیں کتنے اسکول کھولنے ہیں اور کہاں؟ اسی طرح طبّی امداد کی بہم رسانی کا مسئلہ ہے۔ ملازمت کے مواقع فراہم کرنے کا مسئلہ ہے۔ خوراک کی پیداوار میں خودکفیل ہونے اور زندگی کی کئی اور بنیادی ضروریات پورا کرنے کا مسئلہ ہے۔ ایسے تمام مسائل کو حل کرنے کے لئے ہمارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہم کتنے ہیں، کہاں کہاں آباد ہیں اور ہماری مصروفیات کیا ہیں؟

ہر علاقے میں بسنے والے تمام لوگوں کی مردم شماری اور ان کے متعلق ذاتی واقفیت مثلاً عمر، جنس، ازدواجی حیثیت، طاقت، افزائش نسل، حالت نقل و حرکت وغیرہ اور سماجی حالت۔ مثلاً مذہب، مادری زبان، تعلیمی معیار وغیرہ۔ اقتصادی حالت مثلاً معاشی لحاظ سے سرگرم ہیں یا نہیں، کسی صنعت و حرفت میں لگے ہیں، کیا پیشہ اپنایا ہے ان سبھی باتوں کا نام "مردم شماری" ہے۔

بس مردم شماری ملک اور اس کے سرچشمے کی تصویر

اعداد و شمار کے ذریعے پیش کرتی ہے۔

قومی جائزہ

چونکہ لوگوں کی تعداد، سماجی اور اقتصادی حالت وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری بن جاتا ہے کہ معینہ مدت کے بعد مردم شماری دوبارہ کی جائے تاکہ ملک کا بجٹ بامقصد اور پُر اثر بن سکے۔ بس وقتی مردم شماری ہندوستان میں ہر دس سال کے بعد کی جاتی ہے۔ ایک قسم کا قومی جائزہ ہے جو اس بات کا ایک فوری خاکہ پیش کرتا ہے کہ قوم کی حالت کیسی ہے اور حکومت کو یہ حالت سدھارنے کے لئے کیا کچھ کرنا چاہئے۔ ساتھ ہی ساتھ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملک نے کتنی ترقی کی ہے حکومت کے وعدے کس حد تک پورے ہو گئے ہیں اور ابھی کیا کچھ کرنا باقی ہے۔

ایک فرد کی طرح ایک قوم کی روزمرہ زندگی کو بھی ایک منظم اور منصوبہ بند طریقے پر چلانا ضروری ہے۔ حکومت بجٹ بناتی ہے جو محض اس امر کا جائزہ ہوتا ہے کہ کل ذرائع آمدنی کیا ہیں اور انھیں کن کاموں پر خرچ کیا جائے تاکہ ملک و قوم کو زیادہ سے زیادہ فلاح و بہبود حاصل ہو۔ حکومت کے سب سے بڑے ذرائع آمدنی مال و ٹیکس، صنعتی و زراعتی پیداوار اور اس سے اہم افرادی طاقت ہے۔ ہر حکومت کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک معین مقدار میں قومی دولت پیدا کرنے کے لئے کتنے لوگوں کی ضرورت ہے اور قومی ملکیت میں سے ہر شخص کا کتنا حصہ ہوگا۔

بجٹ میں وقوم کی تقسیم آبادی کی اس تقسیم و پھیلاؤ کے مطابق کی جاتی ہے جو مردم شماری کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔

کسی بھی ملک کے لئے قومی ضروریات کا صحیح اندازہ لگانے اور اس کے مطابق قوم کی ترقی کا جامع منصوبہ بنانے کے لئے مردم شماری ضروری ہے۔ ہندوستان کے لئے یہ زیادہ اہم اس لئے ہے کہ اس ملک نے ایک وسیع پیمانے پر منصوبہ بند ترقی کا بیڑا اٹھایا ہے۔ قومی منصوبہ بندی کا مقصد لوگوں کے رہن سہن، تعلیم اور صحت کو بہتر بنانا، ان کی صنعتی و زراعتی پیداوار اور دیگر چیزوں کی پیداوار میں اضافہ کرنا ہے۔ کوئی بھی منصوبہ تب تک صحیح اور موثر نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو بناتے وقت اس بات کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو کہ اس پر عمل درآمد میں کتنی افرادی طاقت میسر ہوگی اور اس کا فائدہ کتنے لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ مردم شماری ہر منصوبہ کے لئے بنیاد فراہم کرتی ہے۔ الغرض مردم شماری کے بغیر منصوبہ بندی ممکن نہیں۔ مردم شماری کو بامقصد اور موثر بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ سارے ملک میں بیک وقت عمل میں لائی جائے۔

ایک شہری کے حقوق اور فرائض

مردم شماری کے سلسلے میں جو کچھ واقفیت حاصل کی جاتی ہے وہ بالکل صیغۂ راز میں رکھی جاتی ہے۔ سرکار اس بات کی ذمہ داری لیتی ہے کہ ایک فرد سے جو کچھ اطلاعات فراہم ہو جائیں ان کو پورے طور پر راز میں رکھا جائے گا۔ یہاں تک کہ کسی عدالت میں بھی ان کو استعمال نہ کیا جائے گا۔ یہ ضمانت مردم شماری ایکٹ کے تحت دی جاتی ہے۔

کوئی بھی اطلاع جو مردم شماری کے سلسلے میں کسی فرد سے لی جائے (اسے کسی بھی استغاثی یا عدالتی تحقیقات میں اس فرد کے خلاف استعمال نہ کیا جائے گا) ماسوائے اس کے کہ اس شخص سے مردم شماری کے ہی سلسلے میں کوئی جرم سرزد ہوا ہو مثلاً یہ کہ اس نے صحیح اطلاعات فراہم کرنے سے انکار کیا ہو یا ان کو چھپایا ہو۔

حکومت اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ یہ اطلاعات جو ایک شہری کسی مردم شماری سوال یا سوالات کے جواب میں فراہم کرے گا کسی بھی فوجی بھرتی یا ٹیکس لگانے یا تعزیرات کے سلسلے میں استعمال نہ کی جائیں گی۔

حکومت کی یہ ذمہ داریاں لوگوں کے شکوک یا کسی دماغی الجھاؤ کو دور کرنے اور مردم شماری کے سلسلے میں پوچھے گئے تمام سوالات کے صحیح صحیح جوابات دینے کے لئے کافی ہیں۔

ایک شہری اس بات کا پابند ہے کہ وہ ہر سوال کا اپنی علمیت کے مطابق صحیح صحیح جواب فراہم کرے۔ ایک شہری کو اگر بحیثیت مردم شماری افسر تعین کیا جائے تو وہ اپنے فرائض کو انجام دینے کا پابند ہوگا۔ اس کو قانونی اختیارات حاصل ہوں گے اور وہ کچھ خاص ذمہ داریوں کو پوری کرنے کا پابند ہوگا۔ ایک مردم شماری افسر کو عوام کے ساتھ نہایت اچھے تعلقات پیدا کرنے چاہئیں اور اس کو کسی اور شہری سے ایسا کوئی سوال نہیں پوچھنا چاہئے جو مردم شماری فارم میں درج نہ ہو۔ نہ ہی ایک مردم شماری افسر کو کسی شہری سے حاصل شدہ معلومات کو مٹانا یا پھر جان بوجھ کر کوئی غلط اندراج کرنا چاہئے اور نہ ہی کسی غیر ذمہ دار شخص کو کسی شہری سے حاصل کی ہوئی اطلاع بہم پہنچانی چاہئے۔ ہر مردم شماری افسر کے پروانۂ تقرری میں اس کے حقوق اور پابندیاں صاف اور واضح ہوتی ہیں ساتھ ہی اس کو خبردار کیا گیا ہوتا ہے

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

حمید القوی دسنوی

قادر نامہ غالب

عام طور سے قادر نامہ[1] کے مصنف سے متعلق محققین غالب اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ یہ مختصر سی کتاب مرزا اسد اللہ خان غالب نے اپنی اہلیہ کے بھانجے زین العابدین خاں عارف کے دونوں بچے باقر علی خاں اور حسین علی خاں کے لئے لکھی تھی جن کی پرورش عارف کے انتقال کے بعد مرزا غالب ہی کی نگرانی میں ہو رہی تھی۔ چنانچہ شاہد صدیقی لکھتے ہیں :۔

عارف نے دو اولادیں چھوڑیں، باقر علی خاں اور حسین علی خاں غالب کو عارف سے بڑی محبت تھی اور وہ انھیں اپنی اولاد سے بڑھ کر سمجھتے تھے جب عارف دنیا سے اٹھ گئے تو غالب کی محبت ان کے دونوں بچوں کی طرف منتقل ہو گئی اور غالب نے انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ وہ ان کی ہر ضد پوری کرتے تھے۔ کبھی کبھی ان کی ضد سے مجبور ہو کر انھیں سفر میں بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔[2]"

غالب ۱۸ رجون ۱۸۵۵ء کو مرزا تفتہ کو ایک خط میں تحریر کرتے ہیں :۔

"سنو صاحب! یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خاں مرحوم میرا فرزند تھا اور اب اس کے دونوں بچے کہ وہ میرے پوتے ہیں میرے پاس آ رہے ہیں اور دم بدم مجھ کو ستاتے ہیں اور میں تحمل کرتا ہوں۔"

مرزا غالب کا جو گہرا تعلق زین العابدین خاں عارف سے تھا اور ان کے بچوں سے جو انھیں دلی محبت تھی وہ مندرجہ بالا خط کے اقتباس سے ظاہر ہے اس لئے عین ممکن ہے کہ انھوں نے "قادر نامہ" ان دونوں بچوں کی تعلیم کی غرض سے تصنیف کیا ہو لیکن بعض حضرات اسے مرزا کی تصنیف ماننے میں شک کا اظہار کرتے ہیں جناب غلام رسول مہر صاحب بھی انھیں میں ہیں وہ تحریر کرتے ہیں :

"اس کتاب کا ایک نسخہ ۱۸۶۳ء کا چھپا ہوا پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے پبلشر کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب غالب کی تصنیف ہے لیکن مجھے اس میں کلام ہے۔[3]"

مولانا مہر اسی کتاب میں حاشیہ پر لکھتے ہیں :

"مولانا عبد الحق سکریٹری انجمن ترقی اردو نے میر افضل علی عرف میرن صاحب کے حوالے سے بیان فرمایا ہے کہ قادر نامہ غالب نے باقر علی خاں اور حسین علی خاں کی تعلیم کے لئے لکھا تھا۔ مالک رام صاحب مولف ذکر غالب فرماتے ہیں کہ اس میں بعض ایسی داخلی شہادتیں ہیں جن سے یہ واقعی غالب کی تصنیف ثابت ہوتا ہے میں ان داخلی شہادتوں سے آگاہ نہیں ہو سکا۔[4]"

مولوی عبد الحق، مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "غالب" پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے قادر نامہ کی تصنیف سے متعلق شبہ کے بارے میں اپنے اس خیال کا اظہار کرتے ہیں :

"قادر نامہ کے متعلق مہر صاحب نے شبہ ظاہر کیا اور انھیں اس میں کلام ہے کہ یہ مرزا صاحب کی تصنیف ہے لیکن میں نے میرن صاحب سے سنا تھا کہ یہ مرزا صاحب نے عارف کے بچوں کے لئے لکھا تھا۔[5]"

مالک رام صاحب بھی اسے غالب کی تصنیف ہونے پر زور دیتے ہیں :

"مولانا غلام رسول مہر کو اس رسالے کے غالب کی تصنیف ہونے میں شک ہے لیکن میں اندرونی اور بیرونی شہادتوں کی بنا پر ثابت کر چکا ہوں کہ یہ رسالہ غالب کا لکھا ہوا ہے۔[6]"

---

[1] قادر نامہ کی مندرجہ ذیل اشاعتوں کا مجھے علم ہو سکا ہے۔

۱۔	قادر نامہ	مطبع سلطانی دہلی	۱۸۵۶ء
۲۔	"	مجتبس پریس دہلی	۹ رجولائی ۱۸۶۳ء (۲۲ محرم ۱۲۸۰ھ)
۳۔	"	مطبع منشی مداری لال لاہور	۱۸۶۳ء
۴۔	"	مطبع نظامی	۲۸ رفروری ۱۸۹۱ء
۵۔	قادر نامہ غالب	مطبع فیض محمدی لکھنؤ	۱۸۹۷ء
۶۔	"	" " انوری "	دسمبر ۱۹۰۳ء
۷۔	"	جلالی اسٹیم پریس سادھوارہ	۱۹۰۷ء
۸۔	"	مطبع قیومی کانپور	۱۹۱۱ء
۹۔	"	ابو العلائی الکٹرک پریس دہلی	۱۹۲۷ء
۱۰۔	"	فیروز سنز پرنٹنگ ورکس لاہور	۱۹۲۶ء
۱۱۔	"	مطبع جان جہاں دہلی	
۱۲۔	" مرتبہ تمکین سرمدی	مکتبہ نیا ماہی کراچی	۱۹۵۵ء
۱۳۔	" " محمد باقر	پنجاب یونیورسٹی لاہور	۱۹۶۹ء

[2] غالب اور عارف از شاہد علی، آئینہ غالب ص ۲۲۸

[3] غالب۔ غلام رسول مہر ص ۳۸۸

[4] [5] اردو سہ ماہی اکتوبر ۱۹۳۷ء، [6] ذکر غالب ص (۱۴) حاشیہ

مولانا امتیاز علی عرشی کا خیال بھی یہی ہے کہ یہ کتاب مرزا غالب کی تصنیف ہے:

"بعض حضرات کو قادر نامہ کے تصنیف غالب ہونے میں شبہ ہے لیکن کتاب خانہ رامپور میں اس کا ایک ایسا مطبوعہ نسخہ موجود ہے جو سنہ ۱۲۸۰ھ میں خود دہلی کے مجتبائی پریس میں چھپا تھا اور اس میں نہایت صفائی کے ساتھ اسد اللہ خان غالب دہلوی کو اس کا مولف بتایا ہے۔ اس شہادت کے سوا خود اشعار بالخصوص دو نمونے کی غزلوں سے غالب کی شوخی اور ندرت بیان اتنی ہویدا ہے کہ جو اصحاب غالب کی افتاد طبع سے کما حقہ واقف ہیں ایک لمحے کے لئے بھی اسے غالب کے علاوہ کسی دوسرے کا نتیجہ طبع تسلیم نہیں کر سکتے۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا غلام رسول مہر کو قادر نامہ کے ۱۸۶۴ء کے مطبوعہ نسخے کے علاوہ ان اشاعتوں کا علم نہ تھا جو مرزا غالب کی زندگی میں منظر عام پر آئے تھے۔ پروفیسر محمد باقر نے اپنی مرتبہ کتاب "قادر نامہ" کے پیش لفظ میں قادر نامہ کے ایک نئے اور قدیم ترین اڈیشن (۱۸۵۶ء) کا ذکر کیا ہے اور ان دونوں اڈیشن کو جو مرزا غالب کی زندگی میں شائع ہوئے ہیں غالب کی تصنیف ہونے کی ثبوت میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

"میرے نزدیک قادر نامہ کے غالب کی تالیف ہونے کا قطعی ثبوت صرف یہ ہو سکتا ہے کہ قادر نامہ غالب کی زندگی میں اس کے نام سے دہلی سے پہلے ۱۸۵۶ء میں اور پھر ۱۸۶۴ء میں شائع ہو چکا تھا اگر یہ غالب کی تالیف نہ ہوتی اور اس کی زندگی میں اشتہاراً اس کے نام سے منسوب ہوتی تو وہ چپکا نہ بیٹھا رہتا۔"[1]

یہ دونوں اڈیشن میری نظر سے نہیں گزرے ہیں لیکن مولانا امتیاز علی اور پروفیسر محمد باقر کی تحریروں کی بنا پر اگر یہ غالب کے نام سے شائع ہوئے ہیں تو غالب کی تصنیف ہونے کے سلسلے میں بہت اہم ثبوت ہیں۔

منشی امیر مینائی نے بھی اپنے تذکرہ انتخاب یادگار میں غالب کے ذکر میں قادر نامہ کو تصنیفات غالب کی فہرست میں یہ لکھتے ہوئے "قادر نامہ جو خالق باری کی طرز پر موزوں کیا ہے"[2] شامل کر لیا ہے۔

قادر نامہ کے غالب کی تصنیف ہونے کا اہم ثبوت یہ بھی ہے کہ بھوپال کے مولانا عباس رفعت جو مرزا غالب کے تلامذہ میں سے تھے اپنی کتاب "عباس نامہ" میں جو قادر نامہ کی طرز پر ہے اس کے اختتام پر لکھتے ہیں:

از کرم ہائے الٰہی رفعتا
ختم شد عباس نامہ مرحبا
از کلام حضرت استاد من
غالب سحر البیان جادو رقم
ہست بایں نہج قادر نامہ نظم
من تتبع کردہ ام مسعود شتم
آں کلام و ایں کلام یادگیر
ہر دو را انگار زنگ شہد و شیر

حال میں مجھے ایک کتاب "چراغ فوائد" دستیاب ہوئی ہے جو ۱۳۰۵ھ میں مطبع سفیر دکن سے شائع ہوئی ہے جس کے مصنف شیخ محمد صابر کی مندرجہ ذیل تحریر اس سلسلے میں مزید ثبوت فراہم کرتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

"...... بس اسی نظر سے میں مجموعہ الفاظ کو جسے چودھویں صدی کی خالق باری سمجھنا چاہیے صرف افادۂ طلبہ کی غرض سے نظم کر کے اور "چراغ فوائد" تاریخی نام رکھ کر قدردانوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ نظم میں جو نثر کی نسبت قدرتی دلچسپی اور موزونیت

نصیر قریشی

غزل

کبھی اوراقِ شکستہ کے مقدر دیکھو
میں بھی تعبیرِ جہاں ہوں مجھے پڑھ کر دیکھو

ٹوٹنا اور بکھرنا ہے تمہاری ہی طرح
میں کوئی روح نہیں ہوں مجھے چھو کر دیکھو

پیچ ہی تک نہیں محدود دبا سارا وجود
کتنا بھاری ہے یہ تنہائی کا پتھر دیکھو

نہرِ خوں، تیشۂ غم، شہرِ ہوس، قتلِ وفا
زندگی جی نہ کرے پھر وہ کھلے سر دیکھو

تشنگیِ دل محروم رہی ہے اب تک
میرے اشکوں سے بھرا سینۂ بنجر دیکھو

اپنی ویرانیِ احساس پہ نم دیدہ ہے
وقت کا بہتا ہوا بوڑھا سمندر دیکھو

اب کہاں موسمِ نغمات اڑی گردِ الم
دل کی دھرتی بھی ہوئی جاتی ہے بنجر دیکھو

میں بھی جلتے ہوئے ماحول کا پروردہ ہوں
میرے حالات کا آئینہ اٹھا کر دیکھو

---

[1] مکاتیب غالب، امتیاز علی عرشی ص ۲۵

[1] قادر نامہ مرتبہ محمد باقر ص ۳

[2] انتخاب یادگار ص ۲۴۰

خدا نے بخشی ہے اس لئے غالب دہلوی کے قادر نامہ
کی طرح جو بخلاف خالق باری کے ایک ہی بحر میں
منظوم ہونے سے بچوں اور بوڑھوں کی ضرورتوں پر
آسانی سے چڑھ سکتا ہے[۱]۔

جہاں تک قادر نامہ کے نام کا تعلق ہے یہ صحیح ہے کہ پہلے شعر کی ابتدا چونکہ لفظ "قادر" سے ہوتی ہے اس لئے اسے "قادر نامہ" کا نام دیا گیا ہے، پہلا شعر ذیل میں ہے۔

قادر اللہ اور یزداں ہے خدا
ہے نبی مرسل پیمبر رہنما

شعبۂ اردو سیفیہ کالج (بھوپال) میں اس سلسلے کی دوسری بھی کتابیں ہیں جو بچوں کو عربی، فارسی، ترکی اور ہندی کے بعض الفاظ سکھانے کے لئے لکھی گئی ہیں جن میں خالق باری (امیر خسرو) قادر نامہ فرخی (حافظ غلام احمد فرخی)، حمد باری (محمد عبد السمیع بیدل) وغیرہ کے نام رکھنے کی وجہ وہی ہے جو قادر نامہ کی ہے:

خالق باری سرجن ہار — واحد ایک بدا کرتار
(خالق باری پہلا شعر)

قادر اللہ باری یزداں کریم — کردگار ایزد خدا رحمٰن رحیم
(قادر نامہ فرخی دوسرا شعر)

حمد باری لکھو کی اور نعت رسول — جو لکھے بیدل کرو دل سے قبول
(حمد باری)

پروفیسر محمد باقر کو اعتراض ہے کہ،

"اس طرح اس سارے رسالے میں فارسی یا عربی کے کلمات کے جو مترادفات درج ہیں ان کو شاعر نے ہندی کا نام دیا ہے اور کسی جگہ بھی اردو کے نام سے نہیں پکارا، حالانکہ غالب اس سے بہت پہلے اس زبان کے نام کے لئے اردو کا نام استعمال کرتا ہے[۲]"

اپنے اس اعتراض کے ثبوت میں محمد باقر صاحب نے قادر نامہ کے مندرجہ ذیل اشعار پیش کئے ہیں۔

چاہ کو ہندی میں کہتے ہیں کنواں
دود کو ہندی میں کہتے ہیں دھواں

ہندی میں عقرب کا بچھو نام ہے
فارسی میں بھوں کا ابرو نام ہے

ہندی چڑیا فارسی گنجشک ہے
ہنگنی جس کو کہیں وہ پشک ہے

دراصل اس زمانے میں ملکی زبان کے لئے عام طور سے لفظ "ہندی" ہی کا استعمال تھا، قادر نامہ کے علاوہ اس کے بعد کی تصانیف میں بھی ملکی زبان یعنی اردو کی جگہ ہندی ہی کا استعمال کیا گیا ہے:

رائی خردل سرسوں سرشف جانیے — جوز ہندی ناریل کو جانیے
(چراغ فوائد[۳])

بانو بی بی اور اردو ہے بیگا — زاغ کو ہندی میں کہتے ہیں کچا
حوض پوکھر اور جھرنا آبشار — دست گرداں قرض ہے ہندی ادھار
(عباس نامہ)

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں "قادر نامہ" کا مصنف غالب ہی ثابت ہوتا ہے، ویسے بقول

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

---

[۱] چراغ فوائد ص ۲
[۲] قادر نامہ۔ محمد باقر ص ۱

صفحہ ۹ سے آگے

اور فن خطاطی وغیرہ موضوعات پر تقریباً ۳۵ تصانیف و تالیفات یادگار چھوڑی ہیں۔

مرحوم کی علمی و ادبی قابلیت کے پیش نظر آل انڈیا ریڈیو جے پور نے ان کو اپنی پروگرام اینڈ وائزری کمیٹی کا ممبر مقرر کیا تھا۔ جامعہ اردو علی گڑھ کی مجلس منتظمہ اور مجلس عاملہ کے رکن تھے آل انڈیا غالب صدی کمیٹی دہلی کے ممبر تھے اور حکومت راجستھان کے "بھاشا وبھاگ" کی اردو کے سلسلہ میں صلاح کار کمیٹی کے ممبر تھے۔ ان ادبی خدمات سے قطع نظر وہ اکتیس سال تک جے پور پولیس کی ملازمت کے دوران ڈائرکٹر پولیس ٹریننگ اسکول جے پور رہے اور سرکل انسپکٹر کے عہدے سے پنشن پائی۔ بلاشبہ وہ مجموعہ صفات تھے۔

آخر میں جناب افتخار علی شمیم نے مرحوم کی وفات پر انتہائی رنج و ملال کا اظہار کرکے دعائے مغفرت کی۔

• افتخار علی شمیم

مراسلات

نثار احمد فاروقی صاحب کا متعینہ سنہ کتابت ۱۲۳۳ھ

۲۲ر دسمبر ۱۹۷۰ء کے ہماری زبان میں نسخۂ عرشی زادہ پر اظہار خیال فرماتے ہوئے جناب انصار اللہ صاحب نے لکھا ہے:

"سنہ کتابت کی جستجو کرنے والوں نے تاحال ۱۲۳۱ھ اور ۱۲۳۶ھ کے مابین کسی بھی سال کے متعلق یہ خیال ظاہر نہیں کہ اس سال میں ۱۴ر رجب کو سہ شنبہ ہوگا اس لئے فی الحال میرے لئے بھی اس سے بحث کرنا ضروری نہیں معلوم ہوتا۔"

ڈاکٹر انصار اللہ صاحب نے محترم نثار احمد فاروقی صاحب کا وہ مضمون ملاحظہ نہیں فرمایا جس میں متعدد مقامات پر پورے شد ومد کے ساتھ فاروقی صاحب نے ۱۲۳۳ھ کو سنہ کتابت قرار دیا ہے۔ یہ مضمون آجکل مئی ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا تھا جس کے اقتباسات اکبر علی خاں صاحب نے اپنے ایک مضمون میں جو سنہ کتابت سے متعلق ہے نقل کئے ہیں، وہ میں یہاں پیش کرتا ہوں۔

"۱۔ ترقیمے کی عبارت میں تاریخ تو درج ہے مگر بدقسمتی سے سنہ کے اعداد لکھنے سے رہ گئے ہیں دیکھئے تقویم ہجری و عیسوی سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۴ر رجب کو سہ شنبہ کا دن ۱۲۳۳ھ میں پڑا جو مئی ۱۸۱۸ء کے برابر ہے۔ اس تاریخ کو منگل کا دن ۱۸۲۱ء میں بھی تھا لیکن اسے اس وجہ سے ہم نے تسلیم نہیں کیا کہ اس سے پہلے ۱۸۲۰ء میں نسخۂ حمیدیہ وجود میں آچکا تھا ...."

"۲۔ ہم اگر یہ تسلیم بھی کرلیں کہ مرزا نے پندرہ سال کی عمر میں ۱۸۱۲ء میں شعر گوئی کا آغاز کیا اور انھیں دیوان فراہم کرنے کا خیال آیا تو چھ سال کی مدت میں ۱۸۱۸ء تک ان کا پہلا دیوان مرتب ہو جانا بالکل خدا لگتی بات ہے۔"

"۳۔ ایک اندرونی شہادت سے اتنا طے ہے کہ یہ نسخہ یکم رصفر ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۹ر نومبر ۱۸۱۹ء سے پہلے وجود میں آچکا تھا اس لئے کہ ورق ۱۸ الف کے حاشیہ پر ایک مختصر سی یادداشت ملتی ہے جس میں صاف ہندسوں میں لکھا ہے "لعل خاں خاں بتاریخ اول صفر ۱۲۳۵ھ در ماہیہ ۸عہ" اس سے ظاہر ہے کہ مذکورہ تاریخ کو غالب نے لعل خاں نامی کسی شخص کو ملازم رکھا تھا اور بطور یادداشت اپنے دیوان کے حاشیے پر اس تقرر کی تاریخ درج کردی تھی یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم یہ فرض کرلیں کہ یکم رصفر ۱۲۳۵ھ سے پہلے دیوان کا مسودہ لکھا جا سکتا تھا اور ایسا تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ غرض ۱۸۱۸ء ہماری نظر میں زیادہ قرین قیاس ہے۔"

۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء پر نثار احمد فاروقی صاحب کو بجا اصرار ہے اس لئے کہ ان کے سامنے خود ان کے بیان کے مطابق ویسٹنفیلڈ کی تقویم ہے جس کی رو سے ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء ہی میں سہ شنبہ کو ۱۴ر رجب تھی اور ۱۲۳۱ھ میں ایک دن کا فرق تھا اس لئے کوئی بھی صاحب عقل سلیم اور وہ بھی نثار احمد فاروقی صاحب جیسے مقام کا شخص ۱۲۳۱ھ قبول نہیں کرسکتا بالخصوص ایسی صورت میں کہ کسی دوسری تقویم سے ایک دن کا فرق آرہا ہو۔ فاروقی صاحب نے اسی لئے اکبر علی خاں کو ایک خط میں ۳ر جولائی ۶۹ء کو باصرار یہ لکھا کہ وہ اکبر علی خاں کے متعین کئے ہوئے سنہ ۱۲۳۱ھ سے متفق نہیں ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ بعد میں فاروقی صاحب نے ۱۲۳۱ھ کو تسلیم کرلیا اس وقت تک فاروقی صاحب کو ان کے حسب طلب اکبر علی خاں کا وہ مضمون قبل از اشاعت پہنچ چکا تھا جو فاروقی صاحب نے ۳ر جولائی کے خط میں اکبر علی خاں سے طلب کیا تھا کہ انھیں طباعت سے قبل استفادے کے لئے بھیج دیا جائے اس مضمون میں اکبر علی خاں نے غالب کی معاصر نولکشوری تقویم سے کام لیا ہے اس کے بعد نثار احمد فاروقی صاحب نے ۱۰ر اگست ۶۹ء کے ہماری زبان میں لکھا ہے کہ انھیں ۱۲۳۱ھ کے خلاف کوئی معقول دلیل تاریخ تحریر مراسلہ تک نہیں ملی۔ چونکہ فاروقی صاحب نے آجکل جولائی ۶۹ء میں عرشی صاحب کا مضمون بھی پڑھ لیا تھا جس میں ۱۲۳۱ھ متعین سنہ کیا گیا ہے اس لئے انھوں نے اکبر علی خاں صاحب کے غیر مطبوعہ مضمون کا حوالہ دینے کے بجائے ۱۲۳۱ھ کو تقویت پہنچانے کے لئے عرشی صاحب کا نام لیا۔ محقق کی شان یہی ہے کہ وہ کسی بھی بیان کو بغیر جانچے تسلیم نہ کرے اس لئے فاروقی صاحب نے عرشی صاحب اور اکبر علی خاں صاحب کے متعینہ سنہ کو بھی یک لخت قبول نہیں کیا اس کے خلاف دلائل ڈھونڈنے کی کوشش کی اور وہ نہ ملے تب قبول فرمایا۔ اس سے فاروقی صاحب کی محتاط طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس کے باوجود بھی مجھے فاروقی صاحب کا آزاد موقف جس پر انھیں ۳ر جولائی تک اصرار تھا زیادہ باوزن معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہو کہ ڈاکٹر انصار اللہ صاحب ۱۲۳۳ھ متعینہ نثار احمد فاروقی صاحب پر بھی اظہار رائے فرمائیں اس لئے کہ فاروقی صاحب نے بار بار اس پر زور دیا اور ان کے دلائل مضبوط ہیں جنھیں

اگرچہ انھوں نے خود ترک کردیا یا مجبوراً ترک کرنے کے نہ تھے اور ممکن ہے اکبر علی خاں کے متعینہ سنہ ۱۲۲۱ھ کو عرشی صاحب کی تائید حاصل نہ ہوتی تو فاروقی صاحب ۱۲۲۳ھ پہ جمے رہتے

سنبلی۔ ● سید مسعود احمد

"جپ جی صاحب"

جناب دیویندر پرشاد سکسینہ صاحب کے "جپ جی صاحب" سے متعلق ارشادات نظر نواز ہوئے۔ اس باب میں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ خواجہ دل محمد صاحب نے بھی اس گرنتھ کا منظوم ترجمہ شائع کرایا تھا۔ جو مقبول خاص و عام ہوا اور اس وقت کی پنجاب سرکار نے اس تصنیف لطیف پر انھیں پانچ صد روپے کا انعام عطا کیا تھا۔

مولانا محمد اجمل خاں "محمد حضرت مولانا آزاد" نے بھی سلیس نثر میں ترجمہ کیا تھا اور یہ کتاب ہندو پاک کے طول و عرض میں مفت تقسیم کی گئی تھی اور شاید اب نایاب ہے۔

پدم شری برہم ناتھ دت صاحب نے "جپ جی صاحب" اور "سکھمنی صاحب" کے خاص خاص بند ترجمہ کئے تھے۔ جو کہ ان کی کتاب "پریم خیال" میں موجود ہیں۔ اس ترجمے میں انھوں نے اصل کی روح ہی محیط کرپیش نہیں کی بلکہ اس میں تخلیق کا حسن بھی پیدا کر دیا ہے۔ یہ تخلیق محض ترجمہ ہی نہیں، ادب پارہ بھی ہے۔ ہماری زبان کے پڑھنے والوں کی ضیافت طبع کے لئے چند بند درج کرتا ہوں۔

جپ جی صاحب پوڑی ۲۰

اگر ہاتھ پاؤں یا تن بدن میلا ہو جائے۔ تو پانی سے دھونے پر اُجلا ہو جاتا ہے۔

نجاست و غلاظت سے کپڑا ناپاک ہو جائے۔ تو صابن سے دھو لیتے ہیں۔

اسی طرح گناہ آلودہ من ذات باری کے نام کی برکت سے پاک ہو جاتا ہے۔

محض کہنے سننے سے کوئی نیک بنا اور نہ بُرا

نیک اعمال ہی انسان کو نیک بنائیں گے اور بد اعمال ہی بدکار۔

جیسا بوئے گا ویسا کاٹے گا اور ویسا ہی کھائے گا۔

نانک یہ آمد و شد ذات باری ہی کے ہاتھ میں ہے۔

پوڑی ۲۸

کان میں قناعت کی بالیاں ڈال اور راست بازی کا کچکول ہاتھ میں لے۔

جسم پر مراقبہ اور ریاضت کی راکھ مل۔

کنواری لڑکی جیسے پاکیزہ اور بے داغ جسم پر مستی کی کفنی پہن۔

صدق و صفا کے ڈنڈے سے بدگمانی و بدباطنی کو مار بھگا۔

مادہ کی تفریق کو مٹا دے۔ نیک آدمیوں کا یہی دستور ہے۔

تو نے اپنے نفس پر فتح پائی۔ تو ساری دنیا جیت لی۔

اس کو عقیدت مندانہ سلام۔ متواتر عقیدت مندانہ سلام۔ دوامی عقیدت مندانہ سلام۔

وہ افضل ہے۔ پاک ہے۔ ازلی ہے۔ جاودانی ہے۔ لازوال ہے۔ صاحب مقدور۔

پوڑی ۲۹

علم معرفت کو اثاثہ بنا۔ "دردمندی و ہمدردی" کو گدام کا داروغہ۔

تیری ندا دردمندوں کی ہوک کے ہم آہنگ و ہم ساز ہو جائے جس نے سب کی ناک میں نکیل ڈال رکھی ہے۔ اسی کو اپنا مولا سمجھ!

جو دولت کے نشے میں سرشار، فضیلت کا دعوے دار ہے۔ اس سے تجھے کیا کام؟

"ترک و طلب" ہجر و وصال تو روز و شب کا دھندا ہے۔

مگر ہوتا وہی ہے۔ جو اس صاحب دوجہاں کو منظور ہو۔

اس کو عقیدت مندانہ سلام۔ متواتر عقیدت مندانہ سلام دوامی عقیدت مندانہ سلام۔

وہ افضل ہے۔ پاک ہے۔ ازلی ہے۔ جاودانی ہے۔ لازوال ہے۔ صاحب مقدور۔

پوڑی ۳۰

کہتے ہیں قدرت جب ہونے کے لئے خالق کے پاس گئی۔ تو اس کے ہاں تین اولادیں ہوئیں۔

ایک کائنات کا ناظم بن گیا۔ دوسرا رازق اور تیسرا دربار سجا کر محاسب نیک و بد۔ مگر سچ پوچھو تو وہی ہوا جو منشائے ایزدی تھا۔

تیرا کہنا ہی ہوا۔ اس سے سرتابی کہاں؟

کتنا عاقل ہے وہ جو سب کچھ دیکھتا ہے۔ حالانکہ آنکھوں سے اوجھل ہے۔

اس کو عقیدت مندانہ سلام۔ متواتر عقیدت مندانہ سلام۔ وہ افضل ہے۔ پاک ہے۔ ازلی ہے۔ جاودانی ہے۔ لازوال ہے۔

صاحب مقدور۔

پوڑی ۳۱

دنیا اس کی نشست گاہ ہے۔ وہ ابدی و ازلی ہے اور رازق! دینے پر آتا ہے تو بھر بھاڑ کر دیتا ہے۔

خالق بھی وہی ہے۔ شاہد بھی وہی۔ مشہود بھی وہی۔

اس کے کام عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ اور وہی سچی سرکار ہے۔

اس کو عقیدت مندانہ سلام، عقیدت مندانہ سلام، وہ افضل ہے پاک ہے
ازلی ہے، جاودانی ہے، لازوال ہے۔

صاحب مقدور،
سکھ منی صاحب، "کرتوت پشو کی مانس جات"
قالب تو انسانی ہے اور کام حیوانی،
شیطان بن کرامات دن دنیا کو فریب دھا لطرمیں ڈال رکھا ہے۔

باہر کا لباس تو اُجلا ہے، مگر باطن میلا۔
لاکھ چھپاؤ۔ چھپانے سے غلاظت کیوں کر چھپے گی؟
ظاہراً تو علم معرفت، ریاضت و طہارت کے چرچے ہیں۔
مگر حقیقت میں خواہشاتِ نفسانی کا پتلا۔
باطن میں ترشن دیوا" کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔
اور بظاہر جسم پر راکھ ملی جا رہی ہے۔
تیرا ظاہر، مومن کا ہے اور باطن شیطان کا۔
تو نے گلے میں پتھر کی سِل باندھ رکھی ہے، سمندر کو کیوں کر پار کرے گا؟

جس کے دل میں ذاتِ پاک جلوہ گر ہے۔
اے نانک وہ آدمی "نور علیٰ نور" ہو گیا!

"منتھیا سرون پر نند"

جو کانوں سے غیبت سنتا ہے۔ وہ غلط اندیش ہے۔
جو ہاتھوں سے دوسروں کی دولت پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ وہ غلط اندیش ہے،
جو آنکھوں سے دوسرے کی عورت کو گھورتا ہے، وہ غلط اندیش ہے۔
جس کی زبان چٹوری ہے وہ غلط اندیش ہے۔
جس کا تن نیکی و خیراندیشی سے بے گانہ ہے وہ غلط اندیش ہے۔
جس کی ناک عفونت کی دلدادہ ہے۔ وہ غلط اندیش ہے۔
علم معرفت کے بغیر جو زندہ رہنا چاہتا ہے۔ وہ غلط اندیش ہے۔
نانک ذاتِ باری کا نام مشکل کشائی کی کلید ہے۔

"... دولت ہوئے ناہی"

اگر تو پری جمال ہے تو کبر و غرور نہ کر!
یہ تو خدائی نور کی ایک جھلک ہے۔ جس کی تو نمود ہے۔
اگر تو دولت مند ہے تو کبر و غرور نہ کر!
یہ تو اس کے عطیہ کا ایک عکس ہے۔
اگر تیرا دعوےٰ یہ ہے کہ تو بہادری میں لاثانی ہے۔ تو کبر و غرور نہ کر!
یہ تو اس کی قدرت کاملہ کا ایک ادنےٰ کرشمہ ہے۔
اگر تو سمجھتا ہے کہ تو بڑا سخی اور فیاض ہے۔ تو کبر و غرور نہ کر۔
حقیقی فیاض تو وہ ہے، جس نے تجھ کو دیا۔
جس نے اپنے مرشد کے صدقے کبر و غرور کا راستہ چھوڑا،
اے نانک! وہ صاحبِ دل بن گیا۔

سلوک

روزِ ازل سے وہ حق ہے، ازل سے پہلے بھی وہ حق ہی تھا۔
آج بھی وہ حق ہے آئندہ بھی وہ حق ہی رہے گا۔

امرتسر　　• کرشن کمار چودھری

انجمن کی خبریں

روداد میٹنگ انجمن ترقی اردو راجستھان جے پور

جے پور:- انجمن ترقی اردو کا ایک اہم اجلاس بمقام مہاراجہ جے سنگھ اردو ریڈنگ روم جے پور منعقد ہوا۔

پچھلی میٹنگ کی کارروائی کی توثیق کے بعد جناب افتخار علی صاحب شمیم نے الحاج مولانا احترام الدین صاحب شاغل عثمانی مرحوم کی یاد میں ایک مقالہ پڑھ کر سنایا اور ان کو خراج عقیدت پیش کیا اور اس کے بعد حسب ذیل تجاویز منظور کی گئیں۔

۱۔ مولانا شاغل مرحوم کے انتقال پر ایک تعزیتی قرارداد پیش کی گئی جو بالاتفاق منظور ہوئی۔

۲۔ ایک قرارداد انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری کے لئے افتخار علی صاحب شمیم اور جوائنٹ سکریٹری کے لئے کلیم الدین صاحب تجلی عثمانی کا نام پیش کیا گیا۔ اتفاق رائے سے اس کو منظور کیا گیا۔

۳۔ مردم شماری کے سلسلہ میں گزشتہ کام کی پیش رفت کا جائزہ لینے کے بعد طے کیا گیا کہ اشتہارات اور سنیما سلائڈ وغیرہ کے ذریعہ اردو داں طبقہ کو باخبر کیا جائے۔

۴۔ مولانا شاغل کی یادگار کے طور پر ایک کتابچہ شائع کیا جائے نیز ان کے نام سے کوئی میڈل رکھا جائے اور اردو کا تحریری یا تقریری مقابلہ منعقد کیا جائے۔

اسسٹنٹ سکریٹری

قرارداد تعزیت مولانا شاغل مرحوم

انجمن ترقی اردو راجستھان کا یہ ہنگامی اجلاس الحاج مولانا احترام الدین صاحب شاغل عثمانی مرحوم سابق جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان کے سانحۂ ارتحال پر دل کی گہرائیوں کے ساتھ اپنے شدید رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔ یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ مولانا مرحوم کی وفات حسرت آیات سے دنیائے اردو میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پر ہونا مستقبل قریب میں ناممکن ہے۔ قبلہ شاغل صاحب مرحوم نے بے پایاں خلوص، بے لوث خدمت اور جذبۂ ایثار کے جو اعلیٰ نمونے چھوڑے ہیں وہ انجمن ترقی اردو راجستھان کی تاریخ کا زریں باب ہے۔ مولانا مرحوم نے راجستھان میں زبان وادب اور اردو کی بقا وتحفظ کے لئے جو عظیم خدمات انجام دی ہیں ان کے پیش نظر یہ اجلاس طے کرتا ہے کہ آئندہ مرحوم کو "بابائے اردو راجستھان" کے نام سے یاد کیا جائے۔

انجمن ترقی اردو راجستھان کا یہ اجلاس الحاج مولانا احترام الدین صاحب شاغل عثمانی کے لئے صمیم قلب سے دعائے مغفرت کرتا ہے نیز ان کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے یہ یقین دلاتا ہے کہ وہ ان کے رنج وغم میں برابر کا شریک ہے۔

جنرل سکریٹری

مرحوم مولانا احترام الدین شاغل کو خراج عقیدت

اس انتخابی جلسہ میں انجمن کے موجودہ جنرل سکریٹری جناب افتخار علی شمیم نے جناب مولوی احترام الدین شاغل مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کی ان خدمات کو سراہا جو مرحوم راجستھان میں اردو کی ترقی اور بقا کے لئے ۱۹۵۳ سے تا دم حیات بڑی محنت اور جوش ولگن کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ انہی کی جد وجہد سے پورے راجستھان میں انجمن کی شاخیں قائم ہوئیں۔ جس وقت انجمن کا قیام عمل میں آیا سرکاری طور پر مدارس میں اردو تعلیم کی طرف توجہ بالکل نہ تھی۔ شاغل صاحب نے ہی حکام کو متوجہ کیا اور اردو کی تعلیم کا نہ صرف انتظام کرایا بلکہ یہ بھی مطالبہ منوا لیا کہ جن طلبہ کی مادری زبان اردو ہے ان کی ابتدائی تعلیم میں ذریعہ تعلیم اردو ہو گی۔ اس مطالبے کے تسلیم کئے جانے کے بعد حکومت راجستھان نے چودہ لاکھ روپیہ صرف کر کے اردو کی درسی کتابیں شائع کیں۔ اس زبردست کامیابی کے بعد سرکاری احکامات اور قوانین کے اجرا واشاعت کا اردو میں انتظام کروانے کا مطالبہ پیش کیا اور اس میں بھی کامیابی حاصل کی۔ اسی طرح ساہتیہ اکیڈمی راجستھان میں اردو کو اس کا جائز مقام دلوایا اور آل انڈیا ریڈیو جے پور سے اردو کے پروگرام نشر کروانے میں زبردست کوشش کی۔ مولانا نے اردو کی بقا وتحفظ کے لئے راجستھان میں جو مطالبہ کیا وہ تسلیم کیا گیا۔

انہوں نے جب حکومت یا کسی تعلیمی یا لسانی ادارے کے سامنے کوئی مطالبہ پیش کیا وہ اس قدر ٹھوس اور مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کیا کہ اس کو لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑا۔

آپ نے جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کے مراکز قائم کرائے پھر ان امتحانات کو بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن راجستھان اجمیر اور راجستھان یونیورسٹی جے پور سے تسلیم کرایا۔ جامعہ اردو کے سند یافتہ حضرات کے لئے سرکاری تعلیمی اداروں میں ملازمت کے دروازے کھلوائے اور آئندہ انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں فراہم کرائیں۔

شاغل صاحب راجستھان میں انجمن ترقی اردو کے نہ صرف جنرل سکریٹری تھے بلکہ وہ اس ادارے کے روح رواں تھے موصوف نے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ان کا احاطہ کرنا دشوار ہے۔ اس کے علاوہ آپ ایک بلند پایہ ادیب وشاعر بھی تھے۔ موصوف نے تاحین ادب، فلسفہ، سیرت، سوانح، تاریخ ادب

(باقی صفحہ ۱۴)

اخبار و اذکار

جناب شاغل عثمانی کی وفات پر اظہار تعزیت

ٹونک: یہاں طلبائے ٹونک کی واحد انجمن انجمن امداد باہمی کے صدر جناب الحبیب فروغ نے جناب احترام الدین صاحب شاغل عثمانی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان کی وفات پر ایک تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ شاغل صاحب کی ذات راجستھان میں مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی تھی، آپ واقعی راجستھان کے بابائے اردو تھے۔ قرارداد میں کہا گیا ہے کہ شاغل صاحب نے آخری دم تک انجمن ترقی اردو اور اردو کے لئے جو خدمات انجام دیں تمام راجستھان کے لوگ بھی اس کا بدل نہیں کر سکتے۔

سکریٹری نشر و اشاعت

جشن ل، احمد اکبرآبادی

بزم سخن زار کلکتہ نے فیصلہ کیا ہے کہ ملک کے نامور ادیب صاحب طرز انشاء پرداز، افسانہ نویس، نقاد اور بیش بہا تراجم سے اردو زبان کا دامن وسیع کرنے والے بیدار ذہن فنکار حضرت ل، احمد اکبرآبادی کا ایک جشن منا کر اس بات کا ثبوت دے کہ وہ اپنے شہر اور ملک کے معمر ترین ادیب کی تخلیقی کاوشوں اور ادبی شہ پاروں کو تاریخ ادب اردو کا اہم باب اور بیش بہا خزانہ سمجھتا ہے۔

کلکتہ کو اس بات کا بجا طور پر فخر حاصل ہے کہ وہ حضرت ل، احمد اکبرآبادی کا وطن ثانی بن چکا ہے اور ان کی وساطت سے زبان اردو کی ان روایات سے آشنا ہوا ہے جو میر اور نظیر اکبرآبادی کا حصہ رہ چکی ہیں۔

یہ عظیم الشان جشن اپریل ۱۹۷۱ء کے آخری ہفتہ میں کلکتہ میں منایا جائے گا۔ ہندو پاک کے اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ حضرت ل، احمد کے فن اور شخصیت پر اپنے گرانقدر مقالے اور مضامین لکھ کر مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال فرمائیں تاکہ جشن کے موقع پر شائع ہونے والے یادگار مجلہ میں شامل کئے جا سکیں۔

اعجاز افضل سکریٹری
سخن زار ۱۰ چیت پور روڈ کلکتہ

فروغ اردو مردم شماری کمیٹی کا جلسہ

لکھنؤ: فروغ اردو مردم شماری کمیٹی کا ایک اہم جلسہ جمعرات کو رحیم آباد لکھنؤ میں زیر صدارت جناب مشتاق علی ہوا۔ اختر مشتاق کی نظم "اردو" سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، جناب امین سلونوی، مولانا محمد حسین شمس علوی، جناب ثمر بسوانی نے مردم شماری کی اہمیت و افادیت پر تفصیل سے اظہار خیال کیا اور عوام سے یہ پر زور اپیل کی کہ وہ آئندہ ہونے والی مردم شماری میں مادری زبان کے خانے میں اپنی زبان اردو لکھائیں نیز جب تک یقین نہ کر لیں کہ ان کے فارم میں صحیح اندراجات کئے گئے ہیں، دستخط نہ کریں۔ کسی قسم کی شکایت ہونے پر فارم پر دستخط نہ کریں اور اس کی اطلاع ادارہ کو ضرور دیں۔

جلسہ میں مردم شماری کی دو کمیٹیوں کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے کنوینر جناب اختر مشتاق اور محترمہ شاہدہ اختر مشتاق برائے خواتین منتخب ہوئیں۔

ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، جناب امین سلونوی، مولانا شمس علوی اور جناب ثمر بسوانی پر مشتمل اس گشتی وفد نے رحیم آباد گڑھی، بانی نگر، رام نگر و دیگر قصبات و مضافات کا دورہ کیا اور عوام کو مردم شماری کی اہمیت سے روشناس کرایا۔

محمد رفیق سکریٹری

وکیل اختر کے انتقال پر تعزیتی جلسہ

اردو رائٹرس ایسوسی ایشن کلکتہ کے زیر اہتمام اور جناب ڈاکٹر عطا کریم برق، صدر شعبۂ فارسی و عربی کلکتہ یونیورسٹی کی صدارت میں اردو کے جوان سال شاعر وکیل اختر کی اچانک موت پر ایک تعزیتی جلسہ ہوا، جس میں صدر موصوف ڈاکٹر مجیب الرحمٰن، پروفیسر جاوید نہال، جناب مظفر حیدری، پروفیسر ابو نصر غوثانی، ایم۔ اے نفر اور اشفاق نسیم نے نظم و نثر میں اپنے اپنے تاثرات سے اظہار مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اس کے بعد ایک تعزیتی قرارداد منظور کی گئی جس میں مرحوم کی موت کو بنگال کی اردو دنیا کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان بتایا گیا۔

ایم۔ اے نفر

اُردو کے تحفظ کے لیے اُردو والوں کی ذمہ داری

حیدر آباد۔ مشہور ادیب و صحافی مسٹر بتیبہ پال پریمی نے جو ان دنوں ترکی اور ایران کے فن کاروں کے ساتھ حیدر آباد آئے ہوئے ہیں "دکن نیوز" سے ایک ملاقات میں اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ ہندوستان میں اگر خود اُردو والے اردو کے تحفظ اور بقاء کے لیے خلوص دل سے کام کریں تو اس زبان عظیم کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی۔ مسٹر پریمی نے کہا کہ ان کی مادری زبان اُردو ہی ہے لیکن ان کی اپنی جائے پیدائش لکھنؤ میں اس کے ساتھ سیاسی مصلحتوں کی بناء پر ارباب حکومت جو کچھ ناانصافی کر رہے ہیں وہ تو کر ہی رہے ہیں لیکن خود اُردو والے اپنے بچوں کی اس زبان میں تعلیم و تربیت سے غفلت برت کر خود اپنے ہی ہاتھوں اُردو کا گلا گھونٹنے کا سامان کر رہے ہیں۔

• قومی آواز

عبدالباری انجم کے اعزاز میں ایک ادبی نشست

گورکھپور: جناب احسن رضوی کی قیام گاہ پر قاہرہ ریڈیو کے اردو کے چیف اناؤنسر جناب عبدالباری انجم کے اعزاز میں ایک ادبی نشست منعقد ہوئی۔

موصوف اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے ہندوستان آئے ہوئے ہیں اور گذشتہ پندرہ برس سے ریڈیو قاہرہ سے منسلک ہیں۔ پیام گورکھپوری نے انجم صاحب کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ قاہرہ ریڈیو کے اردو پروگراموں کو دلچسپ بنانے میں ان کی کوششیں قابل قدر ہیں۔ ایم کوٹھیاوی راہی نے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ اگر قاہرہ ریڈیو سے اردو پروگراموں میں ہندوستان کے اردو شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات کو زیادہ اہمیت دی جائے تو وہاں اس کی مقبولیت اور بھی بڑھ جائے گی۔ اس موقع پر جناب انجم نے عربی اور فارسی کی متعدد نظموں کے ترجمے سنائے اور اپنی کچھ غزلیں بھی پیش کیں۔ • جمیش اشک

لیکن کتاب اچھی ہے پر انعام

ٹونک کے مشہور نوجوان ادیب و صحافی جناب جاوید حبیب کو ان کی طنزیہ مزاحیہ کتاب "لیکن کتاب اچھی ہے" پر راجستھان ساہتیہ اکیڈیمی کی طرف سے سو روپیہ کا انعام دیا گیا ہے۔
کتاب فائز پبلیکیشنز ٹونک سے ڈیڑھ روپے میں حاصل کی جا سکتی ہے۔

(سکریٹری نشر و اشاعت)

صفحہ ۲ سے آگے

کہ ان میں سے کسی کی بھی خلاف ورزی کی سزا جرمانہ اور جیل دونوں ہیں۔

ان کے حقوق اور پابندیوں کی وجوہات یہ ہیں:

حکومت جو لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے اور ان کی خوشحالی چاہتی ہے عوام کے متعلق حالات کا صحیح اور واضح خاکہ اس کے سامنے ہونا چاہیے تاکہ وہ ان کے فلاح و بہبود کی صحیح طریقے پر دیکھ بھال کر سکے۔ ایسی قابل اعتماد اطلاعات تبھی حاصل ہو سکتی ہیں جب کہ لوگ اس مہم میں اپنا پورا پورا تعاون دیں اور صحیح اطلاعات بہم پہنچائیں۔ شروع میں اگرچہ مردم شماری ہر فرد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے لیکن آخر میں سارا مواد جمع کر کے پیش کیا جاتا ہے اور ذاتی نام و نشان بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ انہی اعداد و شمار پر ترقیاتی منصوبوں کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

ہندوستان میں مردم شماری ہمیشہ سے ہی رضاکارانہ اور اشتراک کی بنیادوں پر عمل لائی گئی ہے۔ عوام اور حکومت کے درمیان یہ ایک بہترین اشتراک عمل ہے جس سے دونوں مکمل اور صحیح مردم شماری کا مفہوم اور ضروریات اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

ہم نے پچھلے سو برسوں میں مردم شماری کی ایک بہترین روایت قائم کی ہے جس کے لئے ہم بجا طور پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ہم گیارھویں دس سالہ مردم شماری ۱۹۷۱ء (۱۰ مارچ تا ۳۱ مارچ) میں کر رہے ہیں۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ سابقہ شاندار روایات کو قائم و دائم رکھیں۔ شمار کنندگان ۱۰ مارچ سے ۳۱ مارچ تک کے عرصے کے دوران میں گھر گھر جا کر اندراجات کریں گے۔

ہر شہری سے مؤدبانہ اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مردم شماری سے متعلق سوالات کے صحیح جوابات دے کر اس مہم کو کامیاب بنانے میں مدد کرے۔ یہ اس کا ایک قومی فریضہ ہے۔

تبصرہ

ڈاکٹر محمد انصار اللہ

میگزین : فضل الرحمٰن اسلامیہ کالج بریلی
غالب نمبر ۷۰ — ۱۹۶۹ء
مرتب ۔ ڈاکٹر محمد شکیل احمد صدیقی
ضخامت ۲۲۶ + ۵۰ صفحات

اسکولوں اور کالجوں کی طرف سے جو میگزین شایع ہوتی ہیں۔ طلباء کی استعداد کی کمی سبب، بالعموم ان میں طلباء کے نام سے اساتذہ یا بعض سرپرستوں کے مضامین شامل ہوتے ہیں، اس رسم سے نوجوانوں کو مختلف النوع نقصانات ہوتے ہیں ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ ان میں دوسروں کے سہارے آگے بڑھنے کا خیال عام ہوتا ہے جس کے لازمی نتیجہ کے طور پر خود اعتمادی میں کمی آجاتی ہے، اس میگزین کے سرپرست اور نگراں مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنے لیے مختلف لیکن بہتر راہ نکالی اور عہد حاضر کے اکثر نامور اور وہ اہل قلم کے مضامین فراہم کرکے طلباء کے سامنے غالب سے متعلق ایک مفید اور قابل قدر مجموعہ مضامین پیش کیا۔ اس میں کچھ مضامین تو وہ ہیں جو پہلے بھی چھپ چکے ہیں لیکن بیشتر نئے ہیں۔ پہلے کے شایع شدہ مضامین میں پروفیسر خواجہ احمد فاروقی اور ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کے مضامین خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں اول الذکر سے طالب علم کو یہ اندازہ ہوگا کہ معاشرتی اور تہذیبی پس منظر سے واقفیت کس حد تک ضروری ہے دوسرے مضمون میں ذوق کو "کلام غالب کا جوہری" کہہ کر طلباء کے ذہنوں سے اس تعصب کو دور کرنے کی کوشش کی گئی جو بد قسمتی سے عام ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی نے "چراغ دیر" جیسی اہم مثنوی کا تعارف کرانے کے بعد فارسی مثنوی کے ساتھ اس کا ترجمہ پیش کرکے طلباء کے لیے جو سہولت فراہم کردی ہے وہ نہایت قابل ستائش ہے۔

نئے مضامین میں بعض اس لحاظ سے زیادہ قابل قدر ہیں کہ وہ اہم تر موضوعات سے متعلق ہیں مثال کے طور پر غالب کا تغزل اور دن کی اردو قصیدہ نگاری کے بارے میں سرفراز ولی خان اور چندا میاں کے مضامین، یہ دونوں طالب علم ہیں ان کے مضامین قابل ذکر حد تک کامیاب ہیں۔ محمد عارف متعلم درجہ نہم اور محمد شعیب درجہ دوازدہم کے مضامین غالب پر ایک طایرانہ نظر، اور غالب کی مشکل پسندی بھی اسی نقطۂ نظر سے قابل تعریف ہیں فاضل مرتب نے اپنے دو مضامین کے علاوہ مختلف عنوانوں کے ساتھ غالب کی تحریروں کے کچھ اقتباسات بھی شایع کیے ہیں ایسے اہم اور مفید اقتباسات تلاش کرنا بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ مرتب نے اس غالب نمبر کی تیاری میں محنت کی ہے۔

منظومات کا حصہ بھی قابل قدر ہے۔ سب سے زیادہ اہم اشعار غالب کا اردو میں منظوم ترجمہ ہے جو پروفیسر نورالحسن ہاشمی نے کیا ہے، اس ترجمہ کی کامیابی کی سب سے اچھی دلیل غالبا یہ ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے اصل کا لطف آتا ہے۔ میگزین کا حصہ ہندی مختصر ہے لیکن وہ بھی اچھا ہے۔ بطور مجموعی یہ میگزین غالب صدی کے سلسلہ میں شایع ہونے والے چند بہترین مجموعوں میں شمار کیے جانے کے لائق ہے اور اس کی صوری اور معنوی خوبیوں کے پیش نظر یہ یقین کرنا بھی مشکل ہے کہ یہ ایک انٹرمیڈیٹ کالج کی میگزین کا غالب نمبر ہے۔ عمدہ کاغذ، اچھی کتابت اور طباعت اور پھر نہایت دیدہ زیب سرورق جس کے لیے عبدالرحمٰن صاحب (آرٹ ٹیچر) مبارکباد کے مستحق ہیں۔ یقین ہے کہ اس غالب نمبر کی علمی حلقوں میں کما حقہٗ ضرور قدر کی جائیگی۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپا یا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا

REGD. NO. L.922 R. NO. 2156/57